

خیال جس کا تھا مجھے خیال میں ملا مجھے  
 سوال کا جواب بھی سوال میں ملا مجھے  
 گیا تو اس طرح گیا کہ مدتوں نہیں ملا  
 ملا جو پھر تو یوں کہ وہ ملال میں ملا مجھے  
 تمام علم زیست کا گزشتگان سے ہی ہوا  
 عمل گزشتہ دور کا مثال میں ملا مجھے  
 ہر ایک سخت وقت کے بعد اور وقت سے  
 نشان کمال فکر کا زوال میں ملا مجھے  
 نہال سبز رنگ میں جمال جس کا ہے منیر  
 کسی قدیم خواب کے محال میں ملا مجھے  
 آگنی یاد شام ڈھلتے ہی  
 بجھ گیا دل چراغ جلتے ہی  
 کھل گئے شہر غم کے دروازے  
 اک ذرا سی ہوا کے چلتے ہی  
 کون تھا تو کہ پھر نہ دیکھا تجھے  
 مٹ گیا خواب آنکھ ملتے ہی  
 خوف آتا ہے اپنے ہی گھر سے  
 ماہ شب تاب کے نکلتے ہی  
 تو بھی جیسے بدل سا جاتا ہے  
 عکس دیوار کے بدلتے ہی  
 خون سا لگ گیا ہے باتھوں میں  
 چڑھ گیا زہر گل مسلتے ہی  
 غم کی بارش نے بھی تیرے نقش کو دھویا نہیں  
 تو نے مجھ کو کھو دیا میں نے تجھے کھویا نہیں  
 نیند کا ہلکا گلابی سا خمار آنکھوں میں تھا  
 یوں لگا جیسے وہ شب کو دیر تک سویا نہیں  
 ہر طرف دیوار و در اور ان میں آنکھوں کے ہجوم  
 کہہ سکے جو دل کی حالت وہ لب گویا نہیں  
 جرم آدم نے کیا اور نسل آدم کو سزا  
 کاٹتا ہوں زندگی بھر میں نے جو بویا نہیں  
 جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو میں بھی منیر  
 غم سے پتھر ہو گیا لیکن کبھی رویا نہیں  
 بے چین بہت پھرنا گھبراتے ہوئے رہنا  
 اک آگ سی جذبوں کی دہکائے ہوئے رہنا  
 چھلکائے ہوئے چلنا خوشبو لب لعلیں کی  
 اک باغ سا ساتھ اپنے مہکائے ہوئے رہنا  
 اس حسن کا شبوہ ہے جب عشق نظر آئے  
 پردے میں چلے جانا شرمائے ہوئے رہنا  
 اک شام سی کر رکھنا کاجل کے کرشمے سے  
 اک چاند سا آنکھوں میں چمکائے ہوئے رہنا  
 عادت ہی بنا لی ہے تم نے تو منیر اپنی  
 جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا  
 بے خیالی میں یوں ہی بس اک ارادہ کر لیا  
 اپنے دل کے شوق کو حد سے زیادہ کر لیا  
 جانتے تھے دونوں ہم اس کو نبھا سکتے نہیں  
 اس نے وعدہ کر لیا میں نے بھی وعدہ کر لیا  
 غیر سے نفرت جو پا لی خرچ خود پر ہو گئی  
 جتنے ہم تھے ہم نے خود کو اس سے ادھا کر لیا  
 شام کے رنگوں میں رکھ کر صاف پانی کا گلاس  
 اب سادہ کو حریف رنگ بادہ کر لیا

ہجرتوں کا خوف تھا یا پر کشش کہنہ مقام  
 کیا تھا جس کو ہم نے خود دیوار جادہ کر لیا  
 ایک ایسا شخص بنتا جا رہا ہوں میں منیر  
 جس نے خود پر بند حسن و جام و بادہ کر لیا  
 کسی کو اپنے عمل کا حساب کیا دیتے  
 سوال سارے غلط تھے جواب کیا دیتے  
 خراب صدیوں کی بے خوابیاں تھیں آنکھوں میں  
 اب ان بے انت خلاؤں میں خواب کیا دیتے  
 ہوا کی طرح مسافر تھے دلبروں کے دل  
 انہیں بس ایک ہی گھر کا عذاب کیا دیتے  
 شراب دل کی طالب تھی شرع کے پہرے میں  
 ہم اتنی تنگی میں اس کو شراب کیا دیتے  
 منیر دشت شروع سے سراب آسا تھا  
 اس آئے کو تمنا کی اب کیا دیتے  
 زندہ رہیں تو کیا ہے جو مر جائیں ہم تو کیا  
 دنیا سے خامشی سے گزر جائیں ہم تو کیا  
 بستی ہی اپنی کیا ہے زمانے کے سامنے  
 اک خواب ہیں جہاں میں بکھر جائیں ہم تو کیا  
 اب کون منتظر ہے ہمارے لیے وہاں  
 شام آ گئی ہے لوٹ کے گھر جائیں ہم تو کیا  
 دل کی خلش تو ساتھ رہے گی تمام عمر  
 دریائے غم کے پار اتر جائیں ہم تو کیا  
 اتنے خاموش بھی رہا نہ کرو  
 غم جدائی میں یوں کیا نہ کرو  
 خواب ہوتے ہیں دیکھنے کے لیے  
 ان میں جا کر مگر رہا نہ کرو  
 کچھ نہ ہوگا گلہ بھی کرنے سے  
 ظالموں سے گلہ کیا نہ کرو  
 ان سے نکلیں حکایتیں شاید  
 حرف لکھ کر مٹا دیا نہ کرو  
 اپنے رتبے کا کچھ لحاظ منیر  
 یار سب کو بنا لیا نہ کرو  
 یہ کیسا نشہ ہے میں کس عجب خمار میں ہوں  
 تو آ کے جا بھی چکا ہے میں انتظار میں ہوں  
 مکاں ہے قبر جسے لوگ خود بناتے ہیں  
 میں اپنے گھر میں ہوں یا میں کسی مزار میں ہوں  
 در فصیل کھلا یا پہاڑ سر سے ہٹا  
 میں اب گری ہوئی گلیوں کے مرگ زار میں ہوں  
 بس اتنا ہوش ہے مجھ کو کہ اجنبی ہیں سب  
 رکا ہوا ہوں سفر میں کسی دیار میں ہوں  
 میں ہوں بھی اور نہیں بھی عجیب بات ہے یہ  
 یہ کیسا جبر ہے میں جس کے اختیار میں ہوں  
 منیر دیکھ شجر چاند اور دیواریں  
 ہوا خزاں کی ہے سر پر شب بہار میں ہوں  
 ہیں رواں اس راہ پر جس کی کوئی منزل نہ ہو  
 جستجو کرتے ہیں اس کی جو ہمیں حاصل نہ ہو  
 دشت نجد پاس میں دیوانگی ہو ہر طرف  
 ہر طرف محمل کا شک ہو پر کہیں محمل نہ ہو  
 وہم یہ تجھ کو عجب ہے اے جمال کم نما  
 جیسے سب کچھ ہو مگر تو دید کے قابل نہ ہو

وہ کھڑا ہے ایک باب علم کی دبلیز پر  
 میں یہ کہتا ہوں اسے اس خوف میں داخل نہ ہو  
 چاہتا ہوں میں منیرؔ اس عمر کے انجام پر  
 ایک ایسی زندگی جو اس طرح مشکل نہ ہو  
 اس سمت مجھ کو یار نے جانے نہیں دیا  
 اک اور شہر یار میں آنے نہیں دیا  
 کچھ وقت چاہتے تھے کہ سوچیں ترے لیے  
 تو نے وہ وقت ہم کو زمانے نہیں دیا  
 منزل ہے اس مہک کی کہاں کس چمن میں ہے  
 اس کا پتہ سفر میں ہوا نے نہیں دیا  
 روکا انا نے کاوش ہے سود سے مجھے  
 اس بت کو اپنا حال سنانے نہیں دیا  
 ہے جس کے بعد عہد زوال آشنا منیرؔ  
 اتنا کمال ہم کو خدا نے نہیں دیا  
 پی لی تو کچھ پتہ نہ چلا وہ سرور تھا  
 وہ اس کا سایہ تھا کہ وہی رشک حور تھا  
 کل میں نے اس کو دیکھا تو دیکھا نہیں گیا  
 مجھ سے بچھڑ کے وہ بھی بہت غم سے چور تھا  
 رویا تھا کون کون مجھے کچھ خبر نہیں  
 میں اس گھڑی وطن سے کئی میل دور تھا  
 شام فراق اُئی تو دل ڈوبنے لگا  
 ہم کو بھی اپنے آپ پہ کتنا غرور تھا  
 چہرہ تھا یا صدا تھی کسی بھولی یاد کی  
 آنکھیں تھیں اس کی یارو کہ دریائے نور تھا  
 نکلا جو چاند اُئی مہک تیز سی منیرؔ  
 میرے سوا بھی باغ میں کوئی ضرور تھا  
 اُٹھ اب جدا نہیں کرتا  
 قید میں ہوں رہا نہیں کرتا  
 مستقل صبر میں ہے کوہ گراں  
 نقش عبرت صدا نہیں کرتا  
 رنگ محفل بدلتا رہتا ہے  
 رنگ کوئی وفا نہیں کرتا  
 عیش دنیا کی جستجو مت کر  
 یہ دُفینہ ملا نہیں کرتا  
 جی میں اُئے جو کر گزرتا ہے  
 تو کسی کا کہا نہیں کرتا  
 ایک وارث ہمیشہ ہوتا ہے  
 تخت خالی رہا نہیں کرتا  
 عہد انصاف آ رہا ہے منیرؔ  
 ظلم دائم ہوا نہیں کرتا  
 اشک رواں کی نہر ہے اور ہم ہیں دوستو  
 اس ہے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو  
 یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد  
 تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو  
 لائی ہے اب اڑا کے گئے موسموں کی باس  
 برکھا کی رت کا قہر ہے اور ہم ہیں دوستو  
 پھرتے ہیں مثل موج ہوا شہر شہر میں  
 آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو  
 شام الم ڈھلی تو چلی درد کی ہوا  
 راتوں کی پچھلا پہر ہے اور ہم ہیں دوستو

آنکھوں میں اڑ رہی ہے لٹی محفلوں کی دھول  
 عبرت سرائے دہر ہے اور ہم ہیں دوستو  
 جو مجھے بھلا دیں گے میں انہیں بھلا دوں گا  
 سب غرور ان کا میں خاک میں ملا دوں گا  
 دیکھتا ہوں سب شکلیں سن رہا ہوں سب باتیں  
 سب حساب ان کا میں ایک دن چکا دوں گا  
 روشنی دکھا دوں گا ان اندھیر نگروں میں  
 اک ہوا ضیاؤں کی چار سو چلا دوں گا  
 بے مثال قریوں کے بے کنار باغوں کے  
 اپنے خواب لوگوں کے خواب میں دکھا دوں گا  
 میں منیر جاؤں گا ایک دن اسے ملنے  
 اس کے در پہ جا کے میں ایک دن صدا دوں گا  
 ان سے نین ملا کے دیکھو  
 یہ دھوکا بھی کھا کے دیکھو  
 دوری میں کیا بھید چھپا ہے  
 اس کا کھوج لگا کے دیکھو  
 کسی اکیلی شام کی چپ میں  
 گیت پرانے گا کے دیکھو  
 آج کی رات بہت کالی ہے  
 سوچ کے دیپ جلا کے دیکھو  
 دل کا گھر سنسان پڑا ہے  
 دکھ کی دھوم مچا کے دیکھو  
 جاگ جاگ کر عمر کٹی ہے  
 نیند کے دوارے جا کے دیکھو  
 کوئی حد نہیں ہے کمال کی  
 کوئی حد نہیں ہے جمال کی  
 وہی قرب و دور کی منزلیں  
 وہی شام خواب و خیال کی  
 نہ مجھے ہی اس کا پتہ کوئی  
 نہ اسے خبر مرے حال کی  
 یہ جواب میری صدا کا ہے  
 کہ صدا ہے اس کے سوال کی  
 یہ نماز عصر کا وقت ہے  
 یہ گھڑی ہے دن کے زوال کی  
 وہ قیامتیں جو گزر گئیں  
 تھیں امانتیں کئی سال کی  
 بے منیر تیری نگاہ میں  
 کوئی بات گہرے ملال کی  
 چمن میں رنگ بہار اترا تو میں نے دیکھا  
 نظر سے دل کا غبار اترا تو میں نے دیکھا  
 میں نیم شب آسمان کی وسعت کو دیکھتا تھا  
 زمیں پہ وہ حسن زار اترا تو میں نے دیکھا  
 گلی کے باہر تمام منظر بدل گئے تھے  
 جو سایہ کوئے یار اترا تو میں نے دیکھا  
 خمار مے میں وہ چہرہ کچھ اور لگ رہا تھا  
 دم سحر جب خمار اترا تو میں نے دیکھا  
 اک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو  
 میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا  
 تھی جس کی جستجو وہ حقیقت نہیں ملی  
 ان بستیوں میں ہم کو رفاقت نہیں ملی

اب تک ہیں اس گماں میں کہ ہم بھی ہیں دہر میں  
 اس وہم سے نجات کی صورت نہیں ملی  
 رہنا تھا اس کے ساتھ بہت دیر تک مگر  
 ان روز و شب میں مجھ کو یہ فرصت نہیں ملی  
 کہنا تھا جس کو اس سے کسی وقت میں مجھے  
 اس بات کے کلام کی مہلت نہیں ملی  
 کچھ دن کے بعد اس سے جدا ہو گئے منیر  
 اس بے وفا سے اپنی طبیعت نہیں ملی  
 میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا  
 عمر میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا  
 میں بہت کمزور تھا اس ملک میں ہجرت کے بعد  
 پر مجھے اس ملک میں کمزور تر اس نے کیا  
 راہبر میرا بنا گمراہ کرنے کے لیے  
 مجھ کو سیدھے راستے سے درہم درہم اس نے کیا  
 شہر میں وہ معتبر میری گواہی سے ہوا  
 پھر مجھے اس شہر میں نا معتبر اس نے کیا  
 شہر کو برباد کر کے رکھ دیا اس نے منیر  
 شہر پر یہ ظلم میرے نام پر اس نے کیا  
 اور ہیں کتنی منزلیں باقی  
 جان کتنی بے جسم میں باقی  
 زندہ لوگوں کی بود و باش میں ہیں  
 مردہ لوگوں کی عادتیں باقی  
 اس سے ملنا وہ خواب بستی میں  
 خواب معدوم حسرتیں باقی  
 بہہ گئے رنگ و نور کے چشمے  
 رہ گئیں ان کی رنگتیں باقی  
 جن کے ہونے سے ہم بھی ہیں اے دل  
 شہر میں ہیں وہ صورتیں باقی  
 وہ تو اے منیر جا بھی چکا  
 اک مہک سی بے باغ میں باقی  
 اپنے گھر کو واپس جاؤ رو رو کر سمجھاتا ہے  
 جہاں بھی جاؤں میرا سایہ پیچھے پیچھے آتا ہے  
 اس کو بھی تو جا کر دیکھو اس کا حال بھی مجھ سا ہے  
 چپ چپ رہ کر دکھ سہنے سے تو انسان مر جاتا ہے  
 مجھ سے محبت بھی ہے اس کو لیکن یہ دستور ہے اس کا  
 غیر سے ملتا ہے بنس بنس کر مجھ سے ہی شرماتا ہے  
 کتنے بار ہیں پھر بھی منیر اس آبادی میں اکیلا ہے  
 اپنے ہی غم کے نشے سے اپنا جی بہلاتا ہے  
 تھکے لوگوں کو مجبوری میں چلتے دیکھ لیتا ہوں  
 میں بس کی کھڑکیوں سے یہ تماشے دیکھ لیتا ہوں  
 کبھی دل میں اداسی ہو تو ان میں جا نکلتا ہوں  
 پرانے دوستوں کو چپ سے بیٹھے دیکھ لیتا ہوں  
 چھپاتے ہیں بہت وہ گرمی دل کو مگر میں بھی  
 گل رخ پر اڑی رنگت کے چھینٹے دیکھ لیتا ہوں  
 کھڑا ہوں یوں کسی خالی قلعے کے صحن ویراں میں  
 کہ جیسے میں زمینوں میں دفینے دیکھ لیتا ہوں  
 منیر اندازہ فخر فنا کرنا ہو جب مجھ کو  
 کسی اونچی جگہ سے جھک کے نیچے دیکھ لیتا ہوں  
 رنج فراق بار میں رسوا نہیں ہوا  
 اتنا میں چپ ہوا کہ تماشا نہیں ہوا

ایسا سفر ہے جس میں کوئی ہم سفر نہیں  
 رستہ ہے اس طرح کا جو دیکھا نہیں ہوا  
 مشکل ہوا ہے رہنا ہمیں اس دیار میں  
 برسوں یہاں رہے ہیں یہ اپنا نہیں ہوا  
 وہ کام شاہ شہر سے یا شہر سے ہوا  
 جو کام بھی ہوا ہے وہ اچھا نہیں ہوا  
 ملنا تھا ایک بار اسے پھر کہیں منیر  
 ایسا میں چاہتا تھا پر ایسا نہیں ہوا  
 اک تیز تیر تھا کہ لگا اور نکل گیا  
 ماری جو چیخ ریل نے جنگل دہل گیا  
 سویا ہوا تھا شہر کسی سانپ کی طرح  
 میں دیکھتا ہی رہ گیا اور چاند ڈھل گیا  
 خواہش کی گرمیاں تھیں عجب ان کے جسم میں  
 خواب کی صحبتوں میں مرا خون جل گیا  
 تھی شام زہر رنگ میں ڈوبی ہوئی کھڑی  
 پھر اک ذرا سی دیر میں منظر بدل گیا  
 مدت کے بعد آج اسے دیکھ کر منیر  
 اک بار دل تو دھڑکا مگر پھر سنبھل گیا  
 بیٹھ جاتا ہے وہ جب محفل میں آ کے سامنے  
 میں ہی بس ہوتا ہوں اس کی اس ادا کے سامنے  
 تیز تھی اتنی کہ سارا شہر سونا کر گئی  
 دیر تک بیٹھا رہا میں اس ہوا کے سامنے  
 رات اک اجڑے مکان پر جا کے جب آواز دی  
 گونج اٹھے بام و در میری صدا کے سامنے  
 وہ رنگیلا ہاتھ میرے دل پہ اور اس کی مہک  
 شمع دل بجھ سی گئی رنگ حنا کے سامنے  
 میں تو اس کو دیکھتے ہی جیسے پتھر ہو گیا  
 بات تک منہ سے نہ نکلی ہے وفا کے سامنے  
 یاد بھی ہیں اے منیر اس شام کی تنہائیاں  
 ایک میدان اک درخت اور تو خدا کے سامنے  
 دیتی نہیں اماں جو زمیں آسمان تو ہے  
 کہنے کو اپنے دل سے کوئی داستاں تو ہے  
 یوں تو ہے رنگ زرد مگر ہونٹ لال ہیں  
 صحرا کی وسعتوں میں کہیں گلستاں تو ہے  
 اک چیل ایک مٹھی پہ بیٹھی ہے دھوپ میں  
 گلیاں اجڑ گئی ہیں مگر پاسباں تو ہے  
 آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے  
 ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے  
 مجھ سے بہت قریب ہے تو پھر بھی اے منیر  
 پردہ سا کوئی میرے ترے درمیاں تو ہے  
 اپنا تو یہ کام ہے بھائی دل کا خون بہاتے رہنا  
 جاگ جاگ کر ان راتوں میں شعر کی آگ جلاتے رہنا  
 اپنے گھروں سے دور بنوں میں پھرتے ہوئے آوارہ لوگو  
 کبھی کبھی جب وقت ملے تو اپنے گھر بھی جاتے رہنا  
 رات کے دشت میں پھول کھلے ہیں بھولی بسری یادوں کے  
 غم کی تیز شراب سے ان کے تیکھے نقش مٹاتے رہنا  
 خوشبو کی دیوار کے پیچھے کیسے کیسے رنگ جمے ہیں  
 جب تک دن کا سورج اُٹے اس کا کھوج لگاتے رہنا  
 تم بھی منیر اب ان گلیوں سے اپنے آپ کو دور ہی رکھنا  
 اچھا ہے جھوٹے لوگوں سے اپنا آپ بچاتے رہنا

اپنی ہی تیغ ادا سے آپ گھائل ہو گیا  
 چاند نے پانی میں دیکھا اور پاگل ہو گیا  
 وہ ہوا تھی شام ہی سے رستے خالی ہو گئے  
 وہ گھٹا برسی کہ سارا شہر جل تھل ہو گیا  
 میں اکیلا اور سفر کی شام رنگوں میں ڈھلی  
 پھر یہ منظر میری نظروں سے بھی اوجھل ہو گیا  
 اب کہاں ہوگا وہ اور ہوگا بھی تو ویسا کہاں  
 سوچ کر یہ بات جی کچھ اور بوجھل ہو گیا  
 حسن کی دہشت عجب تھی وصل کی شب میں منیر  
 ہاتھ جیسے انتہائے شوق سے شل ہو گیا  
 آنی ہے اب یاد کیا رات اک بیتے سال کی  
 یہی ہوا تھی باغ میں یہی صدا گھڑیاں کی  
 مہک عجب سی ہو گئی پڑے پڑے صندوق میں  
 رنگت پھیکی پڑ گئی ریشم کے رومال کی  
 شہر میں ڈر تھا موت کا چاند کی چوتھی رات کو  
 اینٹوں کی اس کھوہ میں دہشت تھی بھونچال کی  
 شام جھکی تھی بحر پر پاگل ہو کر رنگ سے  
 یا تصویر تھی خواب میں میرے کسی خیال کی  
 عمر کے ساتھ عجیب سا بن جاتا ہے آدمی  
 حالت دیکھ کے دکھ ہوا آج اس پری جمال کی  
 دیکھ کے مجھ کو غور سے پھر وہ چپ سے ہو گئے  
 دل میں خلش ہے آج تک اس ان کہے سوال کی  
 بنسی چھپا بھی گیا اور نظر ملا بھی گیا  
 یہ اک جھلک کا تماشا جگر جلا بھی گیا  
 اٹھا تو جا بھی چکا تھا عجیب مہماں تھا  
 صدائیں دے کے مجھے نیند سے جگا بھی گیا  
 غضب ہوا جو اندھیرے میں جل اٹھی بجلی  
 بدن کسی کا طلسمات کچھ دکھا بھی گیا  
 نہ آیا کوئی لب بام شام ڈھلنے لگی  
 وفور شوق سے آنکھوں میں خون آ بھی گیا  
 ہوا تھی گہری گھٹا تھی حنا کی خوشبو تھی  
 یہ ایک رات کا قصہ لہو رلا بھی گیا  
 چلو منیر چلیں اب یہاں رہیں بھی تو کیا  
 وہ سنگ دل تو یہاں سے کہیں چلا بھی گیا  
 تجھ سے بچھڑ کر کیا ہوں میں اب بابر آ کر دیکھ  
 ہمت ہے تو میری حالت آنکھ ملا کر دیکھ  
 شام ہے گہری تیز ہوا ہے سر پہ کھڑی ہے رات  
 رستم گئے مسافر کا اب دیا جلا کر دیکھ  
 دروازے کے پاس آ کر واپس مڑتی چاپ  
 کون ہے اس سنسان گلی میں پاس بلا کر دیکھ  
 شاید کوئی دیکھنے والا ہو جائے حیران  
 کمرے کی دیواروں پر کوئی نقش بنا کر دیکھ  
 تو بھی منیر اب بھرے جہاں میں مل کر رہنا سیکھ  
 بابر سے تو دیکھ لیا اب اندر جا کر دیکھ  
 وہ جو میرے پاس سے ہو کر کسی کے گھر گیا  
 ریشمی ملبوس کی خوشبو سے جادو کر گیا  
 اک جھلک دیکھی تھی اس روئے دل آرا کی کبھی  
 پھر نہ آنکھوں سے وہ ایسا دل ربا منظر گیا  
 شہر کی گلیوں میں گہری تیرگی گریاں رہی  
 رات بادل اس طرح اُٹے کہ میں تو ڈر گیا

تھی وطن میں منتظر جس کی کوئی چشم حسین  
 وہ مسافر جانے کس صحرا میں جل کر مر گیا  
 صبح کاذب کی ہوا میں درد تھا کتنا منیر  
 ریل کی سیٹی بجی تو دل لہو سے بھر گیا  
 رات اتنی جا چکی ہے اور سونا ہے ابھی  
 اس نگر میں اک خوشی کا خواب بونا ہے ابھی  
 کیوں دیا دل اس بت کمسن کو ایسے وقت میں  
 دل سی شے جس کے لیے بس اک کھلونا ہے ابھی  
 ایسی یادوں میں گھرے ہیں جن سے کچھ حاصل نہیں  
 اور کتنا وقت ان یادوں میں کھونا ہے ابھی  
 جو ہوا بونا ہی تھا سو ہو گیا ہے دوستو  
 داغ اس عہد ستم کا دل سے دھونا ہے ابھی  
 ہم نے کھلتے دیکھنا ہے پھر خیابان بہار  
 شہر کے اطراف کی مٹی میں سونا ہے ابھی  
 بیٹھ جائیں سایہ دامن احمدؑ میں منیر  
 اور پھر سوچیں وہ باتیں جن کو بونا ہے ابھی  
 بے شکل تیری گلاب جیسی  
 نظر بے تیری شراب جیسی  
 ہوا سحر کی ہے ان دنوں میں  
 بدلتے موسم کے خواب جیسی  
 صدا ہے اک دوریوں میں اوجھل  
 مری صدا کے جواب جیسی  
 وہ دن تھا دوزخ کی آگ جیسا  
 وہ رات گھرے عذاب جیسی  
 یہ شہر لگتا ہے دشت جیسا  
 چمک ہے اس کی سراب جیسی  
 منیر تیری غزل عجب ہے  
 کسی سفر کی کتاب جیسی  
 اگا سبزہ در و دیوار پر آہستہ آہستہ  
 ہوا خالی صداؤں سے نگر آہستہ آہستہ  
 گھرا بادل خموشی سے خزاں اٹار باغوں پر  
 ہلے ٹھنڈی ہواؤں میں شجر آہستہ آہستہ  
 بہت ہی سست تھا منظر لہو کے رنگ لانے کا  
 نشان آخر ہوا یہ سرخ تر آہستہ آہستہ  
 چمک زر کی اسے آخر مکان خاک میں لائی  
 بنایا سانپ نے جسموں میں گھر آہستہ آہستہ  
 مرے بابر فصیلیں تھیں غبار خاک و باران کی  
 ملی مجھ کو ترے غم کی خبر آہستہ آہستہ  
 منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے  
 کم حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ  
 کوئی داغ ہے مرے نام پر  
 کوئی سایہ میرے کلام پر  
 یہ پہاڑ ہے مرے سامنے  
 کم کتاب منظر عام پر  
 کسی انتظار نظر میں ہے  
 کوئی روشنی کسی بام پر  
 یہ نگر پرندوں کا غول ہے  
 جو گرا ہے دانہ و دام پر  
 غم خاص پر کبھی چپ رہے  
 کبھی رو دے غم عام پر



بے منیر حیرت مستقل  
 میں کھڑا ہوں ایسے مقام پر  
 اس شہر سنگ دل کو جلا دینا چاہئے  
 پھر اس کی خاک کو بھی اڑا دینا چاہئے  
 ملتی نہیں پناہ ہمیں جس زمین پر  
 اک حشر اس زمیں پہ اٹھا دینا چاہئے  
 حد سے گزر گئی ہے یہاں رسم قابری  
 اس دہر کو اب اس کی سزا دینا چاہئے  
 اک تیز رعد جیسی صدا ہر مکان میں  
 لوگوں کو ان کے گھر میں ڈرا دینا چاہئے  
 گم ہو چلے ہو تم تو بہت خود میں اے منیر  
 دنیا کو کچھ تو اپنا پتہ دینا چاہئے  
 جو دیکھے تھے جادو ترے بات کے  
 ہیں چرچے ابھی تک اسی بات کے  
 گھٹا دیکھ کر خوش ہوئیں لڑکیاں  
 چہتوں پر کھلے پھول برسات کے  
 مجھے درد دل کا وہاں لے گیا  
 جہاں در کھلے تھے طلسمات کے  
 ہوا جب چلی پھڑپھڑا کر اڑے  
 پرندے پرانے محلات کے  
 نہ تو بے کہیں اور نہ میں ہوں کہیں  
 یہ سب سلسلے ہیں خیالات کے  
 منیر آ رہی ہے گھڑی وصل کی  
 زمانے گئے بجر کی رات کے  
 سفر میں ہے جو ازل سے یہ وہ بلا ہی نہ ہو  
 کواڑ کھول کے دیکھو کہیں ہوا ہی نہ ہو  
 نگاہ آئینہ معلوم عکس نامعلوم  
 دکھائی دیتا ہے جو اصل میں چھپا ہی نہ ہو  
 زمیں کے گرد بھی پانی زمیں کی تہ میں بھی  
 یہ شہر جم کے کھڑا ہے جو تیرتا ہی نہ ہو  
 نہ جا کہ اس سے پرے دشت مرگ ہو شاید  
 پلٹنا چاہیں وہاں سے تو راستہ ہی نہ ہو  
 میں اس خیال سے جاتا نہیں وطن کی طرف  
 کہ مجھ کو دیکھ کے اس بت کا جی برا ہی نہ ہو  
 کٹی ہے جس کے خیالوں میں عمر اپنی منیر  
 مزا تو جب ہے کہ اس شوخ کو پتا ہی نہ ہو  
 دل جل رہا تھا غم سے مگر نغمہ گر رہا  
 جب تک رہا میں ساتھ مرے یہ ہنر رہا  
 صبح سفر کی رات تھی تارے تھے اور ہوا  
 سایا سا ایک دیر ٹلک بام پر رہا  
 میری صدا ہوا میں بہت دور تک گئی  
 پر میں بلا رہا تھا جسے بے خبر رہا  
 گزری ہے کیا مزے سے خیالوں میں زندگی  
 دوری کا یہ طلسم بڑا کارگر رہا  
 خوف آسمان کے ساتھ تھا سر پر جھکا ہوا  
 کوئی بے بھی یا نہیں بے بھی دل میں ڈر رہا  
 اس آخری نظر میں عجب درد تھا منیر  
 جانے کا اس کے رنج مجھے عمر بھر رہا  
 محفل آرا تھے مگر پھر کم نما ہوتے گئے  
 دیکھتے ہی دیکھتے ہم کیا سے کیا ہوتے گئے

نا شناسی دہر کی تنہا ہمیں کرتی گئی  
 بوتے بوتے ہم زمانے سے جدا بوتے گئے  
 منتظر جیسے تھے در شہر فراق آثار کے  
 اک ذرا دستک ہوئی در دم میں وا بوتے گئے  
 حرف پردہ پوش تھے اظہار دل کے باب میں  
 حرف جتنے شہر میں تھے حرف لا بوتے گئے  
 وقت کس تیزی سے گزرا روزمرہ میں منیر  
 آج کل ہوتا گیا اور دن ہوا بوتے گئے  
 خیال یکتا میں خواب اتنے  
 سوال تنہا جواب اتنے  
 کبھی نہ خوبی کا دھیان آیا  
 ہوئے جہاں میں خراب اتنے  
 حساب دینا پڑا ہمیں بھی  
 کم ہم جو تھے بے حساب اتنے  
 بس اک نظر میں ہزار باتیں  
 پھر اس سے آگے حجاب اتنے  
 مہک اٹھے رنگ سرخ جیسے  
 کھلے چمن میں گلاب اتنے  
 منیر آئے کہاں سے دل میں  
 نئے نئے اضطراب اتنے  
 اس کا نقشہ ایک بے ترتیب افسانے کا تھا  
 یہ تماشا تھا یا کوئی خواب دیوانے کا تھا  
 سارے کرداروں میں بے رشتہ تعلق تھا کوئی  
 ان کی بے ہوشی میں غم سا ہوش آ جانے کا تھا  
 عشق کیا ہم نے کیا آوارگی کے عہد میں  
 اک جتن بے چینوں سے دل کو بہلانے کا تھا  
 خوابشیں ہیں گھر سے باہر دور جانے کی بہت  
 شوق لیکن دل میں واپس لوٹ کر آنے کا تھا  
 لے گیا دل کو جو اس محفل کی شب میں لے منیر  
 اس حسیں کا بزم میں انداز شرمائے کا تھا  
 بھول تھے بادل بھی تھا اور وہ حسیں صورت بھی تھی  
 دل میں لیکن اور ہی اک شکل کی حسرت بھی تھی  
 جو ہوا میں گھر بنائے کاش کوئی دیکھتا  
 دشت میں رہتے تھے پر تعمیر کی عادت بھی تھی  
 کہہ گیا میں سامنے اس کے جو دل کا مدعا  
 کچھ تو موسم بھی عجب تھا کچھ مری ہمت بھی تھی  
 اجنبی شہروں میں رہتے عمر ساری کٹ گئی  
 گو ذرا سے فاصلے پر گھر کی ہر راحت بھی تھی  
 کیا قیامت بے منیر اب یاد بھی آتے نہیں  
 وہ پرانے آشنا جن سے ہمیں الفت بھی تھی  
 ڈر کے کسی سے چھپ جاتا بے جیسے سانپ خزانے میں  
 زر کے زور سے زندہ ہیں سب خاک کے اس ویرانے میں  
 جیسے رسم ادا کرتے ہوں شہروں کی آبادی میں  
 صبح کو گھر سے دور نکل کر شام کو واپس آنے میں  
 نیلے رنگ میں ڈوبی آنکھیں کھلی پڑی تھیں سبزے پر  
 عکس پڑا تھا آسمان کا شاید اس پیمانے میں  
 دہی ہوئی بے زیر زمیں اک دہشت گنگ صداؤں کی  
 بجلی سی کہیں لرز رہی بے کسی چھپے تہہ خانے میں  
 دل کچھ اور بھی سرد ہوا بے شام شہر کی رونق سے  
 کتنی ضیا بے سود گئی شبیشے کے لفظ جلانے میں

میں تو منیرؔ آئینے میں خود کو تک کر حیران ہوا  
 یہ چہرہ کچھ اور طرح تھا پہلے کسی زمانے میں  
 غیروں سے مل کے ہی سہی بے باک تو ہوا  
 بارے وہ شوخ پہلے سے چالاک تو ہوا  
 جی خوش ہوا بے گرتے مکانوں کو دیکھ کر  
 یہ شہر خوف خود سے جگر چاک تو ہوا  
 یہ تو ہوا کہ آدمی پہنچا بے ماہ تک  
 کچھ بھی ہوا وہ واقف افلاک تو ہوا  
 کچھ اور وہ ہوا نہ ہوا مجھ کو دیکھ کر  
 یاد بہار حسن سے غم ناک تو ہوا  
 اس کشمکش میں ہم بھی تھکے تو ہیں اے منیرؔ  
 شہر خدا ستم سے مگر پاک تو ہوا  
 ابھی مجھے اک دشت صدا کی ویرانی سے گزرنا ہے  
 ایک مسافت ختم ہوئی ہے ایک سفر ابھی کرنا ہے  
 گری ہوئی دیواروں میں جکڑے سے ہوئے دروازوں کی  
 خاکستر سی دہلیزوں پر سرد ہوا نے ڈرنا ہے  
 ڈر جانا ہے دشت و جبل نے تنہائی کی بیبت سے  
 آدھی رات کو جب مہتاب نے تاریکی سے ابھرنا ہے  
 یہ تو ابھی آغاز ہے جیسے اس پنہائے حیرت کا  
 آنکھ نے اور سنور جانا ہے رنگ نے اور نکھرنا ہے  
 جیسے زر کی پیلاہٹ میں موج خون اترتی ہے  
 زہر زر کے تند نشے نے دیدہ و دل میں اترنا ہے  
 سارے منظر ایک جیسے ساری باتیں ایک سی  
 سارے دن ہیں ایک سے اور ساری راتیں ایک سی  
 بے نتیجہ ہے ثمر جنگ و جدل سود و زیاں  
 ساری جیتیں ایک جیسی ساری ماتیں ایک سی  
 سب ملاقاتوں کا مقصد کاروبار زرگری  
 سب کی دہشت ایک جیسی سب کی گھاتیں ایک سی  
 اب کسی میں اگلے وقتوں کی وفا باقی نہیں  
 سب قبیلے ایک ہیں اب ساری ذاتیں ایک سی  
 ایک ہی رخ کی اسیری خواب ہے شہروں کا اب  
 ان کے ماتم ایک سے ان کی برائیں ایک سی  
 ہوں اگر زیر زمیں تو فائدہ ہونے کا کیا  
 سنگ و گوہر ایک ہیں پھر ساری دھاتیں ایک سی  
 اے منیرؔ آزاد ہو اس سحر یک رنگی سے تو  
 ہو گئے سب زہر یکساں سب نباتیں ایک سی  
 زور پیدا جسم و جاں کی ناتوانی سے ہوا  
 شور شہروں میں مسلسل بے زبانی سے ہوا  
 دیر تک کی زندگی کی خوابشیں اس بت کو ہیں  
 شوق اس کو انتہا کا عمر فانی سے ہوا  
 میں ہوا ناکام اپنی بے یقینی کے سبب  
 جو ہوا سب میرے دل کی بد گمانی سے ہوا  
 بے نشان میرا بھی شاید شش جہات دہر میں  
 یہ گماں مجھ کو خود اپنی بے نشانی سے ہوا  
 تھا منیرؔ آغاز ہی سے راستہ اپنا غلط  
 اس کا اندازہ سفر کی رائگانی سے ہوا  
 جب بھی گھر کی چہت پر جانیں ناز دکھانے آ جاتے ہیں  
 کیسے کیسے لوگ ہمارے جی کو جلانے آ جاتے ہیں  
 دن بھر جو سورج کے ڈر سے گلیوں میں چھپ رہتے ہیں  
 شام آتے ہی آنکھوں میں وہ رنگ پرانے آ جاتے ہیں

جن لوگوں نے ان کی طلب میں صحراؤں کی دھول اڑائی  
 اب یہ حسیں ان کی قبروں پر پھول چڑھانے آ جاتے ہیں  
 کون سا وہ جادو ہے جس سے غم کی اندھیری سرد گہا میں  
 لاکھ نسانی سانس دلوں کے روگ مٹانے آ جاتے ہیں  
 ز کے ریشمی رومالوں کو کس کس کی نظروں سے چھپائیں  
 کیسے ہیں وہ لوگ جنہیں یہ راز چھپانے آ جاتے ہیں  
 ہم بھی منیرؔ اب دنیا داری کر کے وقت گزاریں گے  
 بوتے بوتے جینے کے بھی لاکھ بہانے آ جاتے ہیں  
 جفائیں دور تک جاتی ہیں کم آباد شہروں میں  
 وفائیں دور تک جاتی ہیں کم آباد شہروں میں  
 بہاریں دیر تک رہتی ہیں کم آباد قریوں میں  
 خزانیں دور تک جاتی ہیں کم آباد شہروں میں  
 صدا بنسنے کی ہو افسوس کی یا آہ بھرنے کی  
 صدائیں دور تک جاتی ہیں کم آباد شہروں میں  
 اندھیرا جب گھنا ہو تو چراغ راہ ویراں کی  
 شعاعیں دور تک جاتی ہیں کم آباد شہروں میں  
 منیرؔ آباد شہروں کے مکینوں کی ہوا لے کر  
 ہوائیں دور تک جاتی ہیں کم آباد شہروں میں  
 دل عجب مشکل میں ہے اب اصل رستے کی طرف  
 یاد پیچھے کھینچتی ہے اُس آگے کی طرف  
 چھوڑ کر نکلے تھے جس کو دشت غربت کی طرف  
 دیکھنا شام و سحر اب گھر کے سائے کی طرف  
 ہے ابھی آغاز دن کا اس دیار قید میں  
 ہے ابھی سے دھیان سارا شب کے پہرے کی طرف  
 صبح کی روشن کرن گھر کے دریچے پر پڑی  
 ایک رخ چمکا ہوا میں اس کے شیشے کی طرف  
 دوریوں سے پر کشش ہیں منزلیں دونوں منیرؔ  
 میں رواں ہوں خواب میں ناپید قریے کی طرف  
 سن بستیوں کا حال جو حد سے گزر گئیں  
 ان امتوں کا ذکر جو رستوں میں مر گئیں  
 کر یاد ان دنوں کو کم آباد تھیں یہاں  
 گلیاں جو خاک و خون کی دہشت سے بھر گئیں  
 صرصر کی زد میں آئے ہوئے بام و در کو دیکھ  
 کیسی ہوائیں کیسا نگر سرد کر گئیں  
 کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے  
 کیسی دعائیں تھیں جو یہاں سے اثر گئیں  
 تنہا اجاڑ برجوں میں پھرتا ہے تو منیرؔ  
 وہ زرفشائیاں ترے رخ کی کدھر گئیں  
 خمار شب میں اسے میں سلام کر بیٹھا  
 جو کام کرنا تھا مجھ کو وہ کام کر بیٹھا  
 قبائے زرد پہن کر وہ بزم میں آیا  
 گل حنا کو ہتھیلی میں تھام کر بیٹھا  
 چھپا گیا تھا محبت کا راز میں تو مگر  
 وہ بھول پن میں سخن دل کا عام کر بیٹھا  
 جو سو کے اٹھا تو رستم اجاڑ لگتا تھا  
 پہنچنا تھا مجھے منزل پہ شام کر بیٹھا  
 تھکن سفر کی بدن شل سا کر گئی ہے منیرؔ  
 برا کیا جو سفر میں قیام کر بیٹھا  
 امتحان ہم نے دیئے اس دار فانی میں بہت  
 رنج کھینچے ہم نے اپنی لا مکانی میں بہت

وہ نہیں اس سا تو بے خواب بہار جاوداں  
اصل کی خوشبو اڑی ہے اس کے ثانی میں بہت  
رات دن کے آنے جانے میں یہ سونا جاگنا  
فکر والوں کو پتے ہیں اس نشانی میں بہت  
کوئلیں کوئیں بہت دیوار گلشن کی طرف  
چاند دمکا حوض کے شفاف پانی میں بہت  
اس کو کیا یادیں تھیں کیا اور کس جگہ پر رہ گئیں  
تیز بے دریائے دل اپنی روانی میں بہت  
آج اس محفل میں تجھ کو بولتے دیکھا منیر  
تو کہ جو مشہور تھا یوں بے زبانی میں بہت  
بے اس گل رنگ کا دیوار ہونا  
کہ جیسے خواب سے بیدار ہونا  
بتاتی ہے مہک دست حنا کی  
کسی در کا پس دیوار ہونا  
اسے رکھتا ہے صحراؤں میں حیراں  
دل شاعر کا پراسرار ہونا  
کمال شوق کا حاصل یہی ہے  
ہمارا شہر سے بے زار ہونا  
فراق آغاز ہے ان ساعتوں کا  
بے آخر جن کا وصل یار ہونا  
یہی ہونا تھا آخر دشت غم کو  
ہمارے ہاتھ سے گلزار ہونا  
محبت کا سبب ہے بے نیازی  
کشش اس کی ہے بس دشوار ہونا  
منیر اچھا نہیں لگتا یہ تیرا  
کسی کے بحر میں بیمار ہونا  
ردا اس چمن کی اڑا لے گئی  
درختوں کے پتے ہوا لے گئی  
جو حرف اپنے دل کے ٹھکانوں میں تھے  
بہت دور ان کو صدا لے گئی  
چلا میں صعوبت سے پر راہ پر  
جہاں تک مجھے انتہا لے گئی  
گئی جس گھڑی شام سحر وفا  
مناظر سے اک رنگ سا لے گئی  
نشاں اک پرانا کنارے پہ تھا  
اسے موج دریا بہا لے گئی  
منیر اتنا حسن اس زمانے میں تھا  
کہاں اس کو کوئی بلا لے گئی  
دل کا سفر بس ایک ہی منزل پہ بس نہیں  
اتنا خیال اس کا ہمیں اس برس نہیں  
دیکھو گل بہار اثر دشت شام میں  
دیوار و در کوئی بھی کہیں پیش و پس نہیں  
آیا نہیں یقین بہت دیر تک ہمیں  
اپنے ہی گھر کا در ہے یہ باب قفس نہیں  
ایسا سفر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں  
ایسا مکاں ہے جس میں کوئی ہم نفس نہیں  
آنے گی پھر بہار اسی شہر میں منیر  
تقدیر اس نگر کی فقط خار و خس نہیں  
بس ایک ماہ جنوں خیز کی ضیا کے سوا  
نگر میں کچھ نہیں باقی رہا ہوا کے سوا

ہے ایک اور بھی صورت کہیں مری ہی طرح  
اک اور شہر بھی ہے قرینہ صدا کے سوا  
اک اور سمت بھی ہے اس سے جا کے ملنے کی  
نشان اور بھی ہے ایک نشان پا کے سوا  
زوال عصر ہے کوفے میں اور گداگر ہیں  
کھلا نہیں کوئی در باب التجا کے سوا  
مکان زر لب گویا حد سپہر و زمیں  
دکھائی دیتا ہے سب کچھ یہاں خدا کے سوا  
مری ہی خواہشیں باعث ہیں میرے غم کی منیر  
عذاب مجھ پہ نہیں حرف مدعا کے سوا  
روشنی در روشنی ہے اس طرف  
زندگی در زندگی ہے اس طرف  
جن عذابوں سے گزرتے ہیں یہاں  
ان عذابوں کی نفی ہے اس طرف  
اک رہائش خواہش دل کی طرح  
اک نمائش خواب کی ہے اس طرف  
جو بکھر کر رہ گیا ہے اس جگہ  
حسن کی اک شکل بھی ہے اس طرف  
جستجو جس کی یہاں پر کی منیر  
اس سے ملنے کی خوشی ہے اس طرف  
یہ آنکھ کیوں ہے یہ ہاتھ کیا ہے  
یہ دن ہے کیا چیز رات کیا ہے  
فراق خورشید و ماہ کیوں ہے  
یہ ان کا اور میرا ساتھ کیا ہے  
گماں ہے کیا اس صنم کدے پر  
خیال مرگ و حیات کیا ہے  
فغاں ہے کس کے لیے دلوں میں  
خروش دریائے ذات کیا ہے  
فلک ہے کیوں قید مستقل میں  
زمین پہ حرف نجات کیا ہے  
ہے کون کس کے لیے پریشاں  
پتہ تو دے اصل بات کیا ہے  
ہے لمس کیوں رائیگاں ہمیشہ  
فنا میں خوف ثبات کیا ہے  
منیر اس شہر غم زدہ پر  
ترا یہ سحر نشاط کیا ہے  
صحن کو چمکا گئی بیلوں کو گیلا کر گئی  
رات بارش کی فلک کو اور نیلا کر گئی  
دھوپ ہے اور زرد پھولوں کے شجر ہر راہ پر  
اک ضیائے زہر سب سڑکوں کو پیلا کر گئی  
کچھ تو اس کے اپنے دل کا درد بھی شامل ہی تھا  
کچھ نشے کی لہر بھی اس کو سریلا کر گئی  
بیٹھ کر میں لکھ گیا ہوں درد دل کا ماجرا  
خون کی اک بوند کاغذ کو رنگیلا کر گئی  
سائے گھٹتے جاتے ہیں  
جنگل کٹتے جاتے ہیں  
کوئی سخت وظیفہ ہے  
جو ہم رٹتے جاتے ہیں  
سورج کے آثار ہیں دیکھو  
بادل چھٹتے جاتے ہیں

آس پاس کے سارے منظر  
 پیچھے ہٹتے جاتے ہیں  
 دیکھو منیرؔ بہار میں گلشن  
 رنگ سے اٹتے جاتے ہیں  
 دل کو حال قرار میں دیکھا  
 یہ کرشمہ بہار میں دیکھا  
 جس کو چاہا خمار میں چاہا  
 جس کو دیکھا غبار میں دیکھا  
 خوابشوں کو بہت ہوا دینا  
 وصف یہ ہم نے یار میں دیکھا  
 اک بشر میں کئی بشر دیکھے  
 جز و کل کے حصار میں دیکھا  
 جب سے دیکھا ہے اس زمیں کو منیرؔ  
 قید لیل و نہار میں دیکھا  
 تھکن سے راہ میں چلنا محال بھی ہے مجھے  
 کمال پر بھی تھا میں ہی زوال بھی ہے مجھے  
 سڑک پہ چلتے ہوئے رک کے دیکھتا ہوں میں  
 یہیں کہیں ہے تو یہ احتمال بھی ہے مجھے  
 یہ میرے گرد تماشا ہے آنکھ کھلنے تک  
 میں خواب میں تو ہوں لیکن خیال بھی ہے مجھے  
 اسی کے لطف سے مرنے سے خوف آتا ہے  
 اسی کے ڈر سے یہ جینا محال بھی ہے مجھے  
 سواد شام سفر ہے جلا جلا سا منیرؔ  
 خوشی کے ساتھ عجب سا ملال بھی ہے مجھے  
 شب وصال میں دوری کا خواب کیوں آیا  
 کمال فتح میں یہ ڈر کا باب کیوں آیا  
 دلوں میں اب کے برس اتنے وبم کیوں جاگے  
 بلاد صبر میں اب اضطراب کیوں آیا  
 بے آگ گل پہ عجب اس بہار گزراں میں  
 چمن میں اب کے گل بے حساب کیوں آیا  
 اگر وہی تھا تو رخ پہ وہ بے رخی کیا تھی  
 ذرا سے ہجر میں یہ انقلاب کیوں آیا  
 بس ایک ہوگا تماشا تمام سمتوں پر  
 مری صدا کے سفر میں سراب کیوں آیا  
 میں خوش نہیں ہوں بہت دور اس سے ہونے پر  
 جو میں نہیں تھا تو اس پر شباب کیوں آیا  
 اڑا بے شعلہ برق ابر کی فصیلوں پر  
 یہ اس بلا کے مقابل سحاب کیوں آیا  
 یقین کس لیے اس پر سے اٹھ گیا ہے منیرؔ  
 تمہارے سر پہ یہ شک کا عذاب کیوں آیا  
 نام بے حد تھے مگر ان کا نشان کوئی نہ تھا  
 بستیاں ہی بستیاں تھیں پاسباں کوئی نہ تھا  
 خرم و شاداب چہرے ثابت و سیار دل  
 اک زمیں ایسی تھی جس کا آسماں کوئی نہ تھا  
 کیا بلا کی شام تھی صبحوں شبوں کے درمیاں  
 اور میں ان منزلوں پر تھا جہاں کوئی نہ تھا  
 کوکئی تھی بانسری چاروں دشاؤں میں منیرؔ  
 پر نگر میں اس صدا کا رازداں کوئی نہ تھا  
 شب مابتاب نے شمع نشیں پہ عجیب گل سا کھلا دیا  
 مجھے یوں لگا کسی ہاتھ نے مرے دل پہ تیر چلا دیا

کوئی ایسی بات ضرور تھی شب وعدہ وہ جو نہ آ سکا  
 کوئی اپنا وہم تھا درمیاں یا گھٹا نے اس کو ڈرا دیا  
 یہی اُن تھی مری زندگی لگی آگ دل میں تو اف نہ کی  
 جو جہاں میں کوئی نہ کر سکا وہ کمال کر کے دیکھا دیا  
 یہ جو لال رنگ پتنگ کا سر آسماں بے اڑا ہوا  
 یہ چراغ دست حنا کا بے جو ہوا میں اس نے جلا دیا  
 مرے پاس ایسا طلسم ہے جو کئی زمانوں کا اسم ہے  
 اسے جب بھی سوچا بلا لیا اسے جو بھی چاہا بنا دیا  
 خلش بجر دائمی نہ گئی  
 تیرے رخ سے یہ بے رخی نہ گئی  
 پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا دل کو  
 حسن والوں کی سادگی نہ گئی  
 سر سے سودا گیا محبت کا  
 دل سے پر اس کی بے کلی نہ گئی  
 اور سب کی حکایتیں کہہ دیں  
 بات اپنی کبھی کہی نہ گئی  
 ہم بھی گھر سے منیر تب نکلے  
 بات اپنوں کی جب سہی نہ گئی  
 دن اگر چڑھتا ادھر سے میں ادھر سے جاگتا  
 حسن سارا مشرقوں کا ساتھ میرے جاگتا  
 میں اگر ملتا نہ اس سے اس ازل کی شام میں  
 خواب ان دیوار و در کا دل میں کیسے جاگتا  
 بے مثال باد گلشن جاگتا اس شوخ کا  
 رنگ جیسے دور کا رنگوں کے پیچھے جاگتا  
 اب وہ گھر باقی نہیں پر کاش اس تعمیر سے  
 ایک شہر آرزو آنکھوں کے آگے جاگتا  
 چاند چڑھتا دیکھنا ہے حد سمندر پر منیر  
 دیکھنا پھر بحر کو اس کی کشش سے جاگتا  
 وقت سے کہیو ذرا کم کم چلے  
 کون یاد آیا ہے آنسو تھم چلے  
 دم بخود کیوں ہے خزاں کی سلطنت  
 کوئی جھونکا کوئی موج غم چلے  
 چار سو باجیں پلوں کی پائلیں  
 اس طرح رقاصہ عالم چلے  
 دیر کیا ہے آنے والے موسمو  
 دن گزرتے جا رہے ہیں ہم چلے  
 کس کو فکر گنبد قصر حباب  
 آج جو پیہم چلے پیہم چلے  
 اس شہر کے یہیں کہیں ہونے کا رنگ ہے  
 اس خاک میں کہیں کہیں سونے کا رنگ ہے  
 پائیں چمن بے خود رو درختوں کا جھنڈ سا  
 محراب در پہ اس کے نہ ہونے کا رنگ ہے  
 طوفان ابر و باد نہاں ساحلوں پہ ہے  
 دریا کی خامشی میں ڈبونے کا رنگ ہے  
 اس عہد سے وفا کا صلہ مرگ رائیگاں  
 اس کی فضا میں ہر گھڑی کھونے کا رنگ ہے  
 بے سر زمین شور کہ اک چادر صفا  
 کیسا عجیب مردہ بچھونے کا رنگ ہے  
 سرخی ہے جو گلاب سی آنکھوں میں اے منیر  
 خار بہار دل میں چبھونے کا رنگ ہے



بے حقیقت دوریوں کی داستاں ہوتی گئی  
 یہ زمیں مثل سراب آسماں ہوتی گئی  
 کس خرابی میں ہوا پیدا جمال زندگی  
 اصل کس نقل مکاں میں رائیگاں ہوتی گئی  
 تنگئِ امروز میں اُندہ کے آثار ہیں  
 ایک ضد بڑھ کر کسی سکھ کا نشان ہوتی گئی  
 دوسرے رخ کا پتہ جس کو تھا وہ خاموش تھا  
 وہ کہانی بس اسی رخ سے بیاں ہوتی گئی  
 اک صدا اٹھی تو اک عالم ہوا پیدا منیر  
 اک کلی مہکی تو پورا گلستاں ہوتی گئی  
 اک عالم بجران ہی اب ہم کو پسند آیا  
 یہ خانہ ویراں ہی اب ہم کو پسند آیا  
 بے نام و نشان رہنا غربت کے علاقے میں  
 یہ شہر بھی دل کش تھا تب ہم کو پسند آیا  
 تھا لال ہوا منظر سورج کے نکلنے سے  
 وہ وقت تھا وہ چہرہ جب ہم کو پسند آیا  
 بے قطع تعلق سے دل خوش بھی بہت اپنا  
 اک حد ہی بنا لینا کب ہم کو پسند آیا  
 آنا وہ منیر اس کا بے خوف و خطر ہم تک  
 یہ طرفہ تماشا بھی شب ہم کو پسند آیا  
 دشت باراں کی ہوا سے پھر برا سا ہو گیا  
 میں فقط خوشبو سے اس کی تازہ دم سا ہو گیا  
 اس کے ہونے سے ہوا پیدا خیال جاں فزا  
 جیسے اک مردہ زمیں میں باغ پیدا ہو گیا  
 پھر ہوائے عشق سے اُشتگی خوباں میں بے  
 ان دنوں میں حسن بھی آزار جیسا ہو گیا  
 بے کہیں محصور شاید وہ حقیقت عہد کی  
 جس کا رستہ دیکھتے اتنا زمانہ ہو گیا  
 غم رہا بے حال کہنا دل کا اس بت سے منیر  
 جس کے غم میں اپنے دل کا حال ایسا ہو گیا  
 ایک میں اور اتنے لاکھوں سلسلوں کے سامنے  
 ایک صوت گنگ جیسے گنبدوں کے سامنے  
 مٹتے جاتے نقش دود دم کی آمد رفت سے  
 کھلتے جاتے بے صدا لب آئینوں کے سامنے  
 بے ہوائے سیر اب اور اجنبی سی سر زمیں  
 اڑ رہی بے خاک کہنہ ساحلوں کے سامنے  
 آگ جلتی بے گھروں میں یا کوئی تصویر بے  
 یادگار جرم آدم خاکیوں کے سامنے  
 دشمنی رسم جہاں بے دوستی حرف غلط  
 آدمی تنہا کھڑا بے ظالموں کے سامنے  
 چار چپ چیزیں ہیں بحر و بر فلک اور کوبسار  
 دل دہل جاتا بے ان خالی جگہوں کے سامنے  
 باطن زردار پر اسرار بے جیسے منیر  
 کان زر کی بند بیبت مشعلوں کے سامنے  
 چاند نکلا بے سر قرینہ ظلمت دیکھو  
 ہو گئی کیسی سیہ خانوں کی رنگت دیکھو  
 سامنے جو بے اسے آنکھ کا دھوکا سمجھو  
 ان دیاروں کو سدا خواب کی صورت دیکھو  
 سیر بے جیسے کوئی، ایسے جہاں سے گزرو  
 دور تک پھیلا بے اک عرصہ فرقت دیکھو

زر کی پرچھائیں جو پڑتی ہے چمک اٹھتا ہے  
 آدم خاک کی ہے بوشی میں حالت دیکھو  
 خوف دیتا ہے یہاں ابر میں تنہا ہونا  
 شہر در بند میں دیواروں کی کثرت دیکھو  
 سایہ ہے ان پہ بہت بھولی ہوئی یادوں کا  
 شام آئی ہے پری زادوں میں وحشت دیکھو  
 داغ ہے اس کے نہ ہونے سے دلوں میں اب تک  
 اڑ گیا مثل صبا گل کی حقیقت دیکھو  
 جنگلوں میں کوئی پیچھے سے بلائے تو منیر  
 مڑ کے رستے میں کبھی اس کی طرف مت دیکھو  
 ایک نگر کے نقش بھلا دوں ایک نگر ایجاد کروں  
 ایک طرف خاموشی کر دوں ایک طرف آباد کروں  
 منزل شب جب طے کرنی ہے اپنے اکیلے دم سے ہی  
 کس کے لیے اس جگہ پہ رک کر دن اپنا برباد کروں  
 بہت قدیم کا نام ہے کوئی ابر و ہوا کے طوفان میں  
 نام جو میں اب بھول چکا ہوں کیسے اس کو یاد کروں  
 جا کے سنوں آثار چمن میں سائیں سائیں شاخوں کی  
 خالی محل کے برجوں سے دیدار برق و باد کروں  
 شعر منیر لکھوں میں اٹھ کر صحن سحر کے رنگوں میں  
 یا پھر کام یہ نظم جہاں کا شام ڈھلے کے بعد کروں  
 نواح وسعت میدان میں حیرانی بہت ہے  
 دلوں میں اس خرابی سے پریشانی بہت ہے  
 کہاں سے ہے کہاں تک ہے خبر اس کی نہیں ملتی  
 یہ دنیا اپنے پھیلاؤ میں انجانی بہت ہے  
 بڑی مشکل سے یہ جانا کہ بحر یار میں رہنا  
 بہت مشکل ہے پر آخر میں آسانی بہت ہے  
 بسر جتنی ہوئی ہے کار و بے منزل زمانے میں  
 مجھے اس زندگانی پر پشیمانی بہت ہے  
 نکل آتے ہیں رستے خود بہ خود جب کچھ نہ ہوتا ہو  
 کہ مشکل میں ہمیں خوابوں کی ارزانی بہت ہے  
 بہت رونق ہے بازاروں میں گلیوں اور محلوں میں  
 پر اس رونق سے شہر دل میں ویرانی بہت ہے  
 ساعت بچراں ہے اب کیسے جہانوں میں رہوں  
 کن علاقوں میں بسوں میں کن مکانوں میں رہوں  
 ایک دشت لا مکان پھیلا ہے میرے ہر طرف  
 دشت سے نکلوں تو جا کر کن ٹھکانوں میں رہوں  
 علم ہے جو پاس میرے کس جگہ افشا کروں  
 یا ابد تک اس خبر کے رازدانوں میں رہوں  
 وصل کی شام سیہ اس سے پرے آبادیاں  
 خواب دائم ہے یہی میں جن زمانوں میں رہوں  
 یہ سفر معلوم کا معلوم تک ہے اے منیر  
 میں کہاں تک ان حدوں کے قید خانوں میں رہوں  
 خواب و خیال گل سے کدھر جائے آدمی  
 اک گلشن ہوا ہے جدھر جائے آدمی  
 دیکھے ہوئے سے لگتے ہیں رستے مکاں مکئی  
 جس شہر میں بھٹک کے جدھر جائے آدمی  
 دیکھے ہیں وہ نگر کہ ابھی تک ہوں خوف میں  
 وہ صورتیں ملی ہیں کہ ڈر جائے آدمی  
 یہ بحر بست و بود ہے بے گوہر مراد  
 گہرائیوں میں اس کی اگر جائے آدمی

پردے میں رنگ و بو کے سفر در سفر منیر  
 ان منزلوں سے کیسے گزر جائے آدمی  
 مکاں میں قید صدا کی دہشت  
 مکاں سے باہر خلا کی دہشت  
 ہوا بے خوف خدا سے خالی  
 بے اس نگر میں بلا کی دہشت  
 گھرا ہوا ہوں میں ہر طرف سے  
 بے اُننے میں ہوا کی دہشت  
 زمیں پہ ہر سمت حد آخر  
 فلک پہ لا انتہا کی دہشت  
 شجر کے سائے میں موت دیکھو  
 ثمر میں اس کے فنا کی دہشت  
 دل خوف میں بے عالم فانی کو دیکھ کر  
 اُتی بے یاد موت کی پانی کو دیکھ کر  
 بے باب شہر مردہ گزر گاہ باد شام  
 میں چپ ہوں اس جگہ کی گرانی کو دیکھ کر  
 بل سی رہی بے حد سفر فرط شوق سے  
 دھندلا رہے ہیں حرف معانی کو دیکھ کر  
 آزرده بے مکان میں خاک زمین بھی  
 چیزوں میں شوق نقل مکانی کو دیکھ کر  
 بے گانگی کا ابر گراں بار کھل گیا  
 شب میں نے اس کو چھیڑا تو وہ یار کھل گیا  
 گلیوں میں شام بوتے ہی نکلے حسین لوگ  
 ہر رہ گزر پہ طبلہ عطار کھل گیا  
 ہم نے چھپایا لاکھ مگر چھپ نہیں سکا  
 انجام کار راز دل زار کھل گیا  
 تھا عشرت شبانہ کی سرمستیوں میں بند  
 باد سحر سے دیدہ گلبار کھل گیا  
 آیا وہ بام پر تو کچھ ایسا لگا منیر  
 جیسے فلک پہ رنگ کا بازار کھل گیا  
 شہر پریت بحر و بر کو چھوڑتا جاتا ہوں میں  
 اک تماشا ہو رہا بے دیکھتا جاتا ہوں میں  
 ہوش اڑتا جا رہا بے گرمی رفتار میں  
 دیکھتا جاتا ہوں میں اور بھولتا جاتا ہوں میں  
 ابر بے افلاک پر اور اک سراسیمہ قمر  
 ایک دشت رائیگاں میں دوڑتا جاتا ہوں میں  
 ہوں مکاں میں بند جیسے امتحان میں آدمی  
 سختی دیوار و در بے جھیلتا جاتا ہوں میں  
 نم بے میرے شعر سے اس چشم سنگ آلود میں  
 خواب ہوں اس چشم تر میں پھیلتا جاتا ہوں میں  
 شوق ہیں کچھ جن کے پیچھے چل رہا ہوں میں منیر  
 رنج ہیں کچھ دل میں میرے کھینچتا جاتا ہوں میں  
 شام کے مسکن میں ویراں میکدے کا در کھلا  
 باب گزری صحبتوں کا خواب کے اندر کھلا  
 کچھ نہ تھا جز خواب وحشت وہ وفا اس عہد کی  
 راز اتنی دیر کا اس عمر میں اُکر کھلا  
 بن میں سرگوشی ہوئی آثار ابر و باد سے  
 بند غم سے جیسے اک اشجار کا لشکر کھلا  
 جگمگا اٹھا اندھیرے میں مری آبٹ سے وہ  
 یہ عجب اس بت کا میری آنکھ پر جوہر کھلا

سبزۂ نورستم کی خوشبو تھی ساحل پر منیرؔ  
 بادلوں کا رنگ چھتری کی طرح سر پر کھلا  
 رہتا ہے اک ہر اس سا قدموں کے ساتھ ساتھ  
 چلتا ہے دشت دشت نوردوں کے ساتھ ساتھ  
 ہاتھوں کا ربط حرف خفی سے عجیب ہے  
 ہلتے ہیں ہاتھ راز کی باتوں کے ساتھ ساتھ  
 اٹھتی ہوئی فصیل فغاں حد شہر پر  
 گلیوں کی چپ قدیم مکانوں کے ساتھ ساتھ  
 سورج کی آب زہر ہے رنگوں کی آب کو  
 ہے دور تک بخار سا باغوں کے ساتھ ساتھ  
 عرباں ہوا ہے ماہ شب ابر و باد میں  
 جیسے سفید روشنی غاروں کے ساتھ ساتھ  
 آیا ہوں میں منیرؔ کسی کام کے لیے  
 رہتا ہے اک خیال سا خوابوں کے ساتھ ساتھ  
 رنگوں کی وحشتوں کا تماشا تھی بام شام  
 طاری تھا ہر مکان پہ جلال دوام شام  
 گلدستہ جہات تھا نیرنگ راہ عشق  
 تھا اک طلسم حسن خیابان دام شام  
 آگے کی منزلوں کی طرف شام کا سفر  
 جیسے شبوں کے دل میں تھا شہر قیام شام  
 باندھے ہوئے ہیں وقت سیہی اس کے حکم میں  
 ہے جس خدا کے ہاتھ میں کار نظام شام  
 دھندلا گئی ہے شام شب خام سے منیرؔ  
 خالی ہوا کشش کی شرابوں سے جام شام  
 اک مسافت پاؤں شل کرتی ہوئی سی خواب میں  
 اک سفر گہرا مسلسل زردی مہتاب میں  
 تیز ہے ہوئے شگوفہ ہائے مرگ ناگہاں  
 گھر گئی خاک زمیں جیسے حصار آب میں  
 حاصل جہد مسلسل مستقل آزردگی  
 کام کرتا ہوں ہوا میں جستجو نایاب میں  
 تنگ کرتی ہے مکان میں خوابش سیر بسیط  
 ہے اثر دائم فلک کا صحن کی محراب میں  
 اے منیرؔ اب اس قدر خاموشیاں یہ کیا ہوا  
 یہ صفت اُنی کہاں سے پارۂ سیماں میں  
 نشیب و ہم فراز گریز پا کے لیے  
 حصار خاک ہے حد پر ہر انتہا کے لیے  
 وفور نشہ سے رنگت سیاہ سی ہے مری  
 جلا ہوں میں بھی عجب چشم سرمہ سا کے لیے  
 ہے ارد گرد گھنا بن برے درختوں کا  
 کھلا ہے در کسی دیوار میں ہوا کے لیے  
 زمیں ہے مسکن شر آسمان سراب آلود  
 ہے سارا عہد سزا میں کسی خطا کے لیے  
 اسیرؔ پس اُٹینہ بقا اور تو  
 نکل کے آ بھی وہاں سے کبھی خدا کے لیے  
 کھڑا ہوں زیر فلک گنبد صدا میں منیرؔ  
 کہ جیسے ہاتھ اٹھا ہو کوئی دعا کے لیے  
 مثال سنگ کھڑا ہے اسی حسیں کی طرح  
 مکان کی شکل بھی دیکھو دل مکین کی طرح  
 ملائمت ہے اندھیرے میں اس کی سانسوں سے  
 دمک رہی ہیں وہ آنکھیں برے نگین کی طرح

نواحِ قریم بے سنسان شامِ سرما میں  
 کسی قدیم زمانے کی سر زمیں کی طرح  
 زمین دور سے تارا دکھائی دیتی ہے  
 رکا ہے اس پہ قمر چشم سیرِ بین کی طرح  
 فریب دیتی ہے وسعتِ نظر کی افقوں پر  
 بے کوئی چیز وہاں سحرِ نیلمیں کی طرح  
 منیرِ عہد ہے اب آخرِ مسافت کا  
 کم چل رہی ہے ہوا بادِ واپسی کی طرح  
 نیلِ فلک کے اسم میں نقشِ اسیر کے سبب  
 حیرت ہے آب و خاک میں ماہِ منیر کے سبب  
 بن میں علاحدگی سی ہے اس کے جمالِ سبز سے  
 دائمِ فضا فراق کی شجرِ پیر کے سبب  
 وسعتِ شہرِ تنگِ دلِ سرما کی صبحِ سرد میں  
 جاگی ہے ڈر کے خواب سے صورتِ فقیر کے سبب  
 صحنِ مکاں میں شل ہے دستِ دعائے آگہی  
 دل میں بے شوق ہے حسابِ حد کی لکیر کے سبب  
 زخمِ وجود کی دوا بس وہی آخری صدا  
 زندہ ہوں جس کے شوق میں صبرِ کبیر کے سبب  
 سحر ہے موت میں منیرِ جیسے ہے سحرِ اُٹھ  
 ساری کشش ہے چیز میں اپنی نظیر کے سبب  
 نگر میں شام ہو گئی ہے کابشِ معاش میں  
 زمیں پہ پھر رہے ہیں لوگ رزق کی تلاش میں  
 گزر گئی تمام عمر اس حصارِ تنگ میں  
 کشش ہے اک مریض سی مکاں کی بود و باش میں  
 ہلالِ حرفِ خوف سا فصیلِ سنگِ نیل پر  
 یا بے عدم کا زرد رنگِ خوابش خراش میں  
 چمک رہے ہیں تعزیے بلا کی تیز دھوپ میں  
 مہک ہے اب مرگ کی فشارِ عرقِ پاش میں  
 منیرِ حسنِ باطنی کو کوئی دیکھتا نہیں  
 متاعِ چشم کھو گئی لباس کی تراش میں  
 سحر کے خواب کا مجھ پر اثر کچھ دیر رہنے دو  
 کسی کے حال کی مجھ کو خبر کچھ دیر رہنے دو  
 جڑے ہیں ان سے نادیدہ پرانے بام و دروازے  
 نئے شہروں میں یہ ویران گھر کچھ دیر رہنے دو  
 کہیں گزرے ہوئے ایامِ پھر واپس نہ آجائیں  
 دل بے خوف میں اس کا خطر کچھ دیر رہنے دو  
 منیرِ اس عالمِ روشن میں رہنا اور خوش رہنا  
 ابھی اس دن سے آگے کا سفر کچھ دیر رہنے دو  
 بجرِ شب میں اک قرارِ غائبانہ چاہئے  
 غیب میں اک صورتِ ماہِ شبانہ چاہئے  
 سن رہے ہیں جس کے چرچے شہر کی خلقت سے ہم  
 جا کے اک دن اس حسیں کو دیکھ آنا چاہئے  
 اس طرح آغازِ شاید اک حیاتِ نو کا ہو  
 پچھلی ساری زندگی کو بھول جانا چاہئے  
 وہ جہاں ہی دوسرا ہے وہ بہت دیر آشنا  
 اس جہاں میں اس سے ملنے کو زمانہ چاہئے

Poet: Muneer Niyazi